حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

میری علمی اور مُطالعاتی زندگی

جناب مدیر "الحق" کے سوالنامہ کے جواب میں

محترم حقانی صاحب! آپ کے بکرات ومرات اصرار کے باوجود عرصہ دراز کے بعد تعمیل کی توفیق مل رہی ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ میں دورانِ تعلیم ومطالعہ کن کن اساتذہ اور کن کن کتابوں سے زیادہ متاثر رہا ہوں؟ مختصر جواب یہی ہے، کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ؏

این خانہ تمام آفتاب است

احتمال یہ بھی ہے کہ یہ میری انفعالی کمزوری اور احساسِ کہتری کی علامت ہو کہ ؎

لختے برد از دل گذر دہر کہ ز پیشم
من قماش فروش دلِ صد پارۂ خویشم

لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ربِّ کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے اپنے پیاروں ہی کی گود میں رکھا ہے۔ وذٰلک فضل اللہ علینا وعلی کثیر من النّاس ولکنّ اکثر النّاس لا یشکرون۔

خداوند قدوس کا کرم ہے کہ اس مہربان ذات نے غلط اساتذہ اور غلط تعلیم سے محفوظ رکھا ؎

ما نبودیم وتقاضا ما نبود
لطفِ او ناگفتہ ما می شنود

فللہ الحمد والشکر۔

سالہا سال تک اپنے اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا، حال کی طرح ان کے ماضی کو معلوم کیا، اور اب پچاس سال سے ان کو مستقبل میں پیشِ نظر ہے، کبھی بھی الحمدللہ افسوس نہیں ہوا کہ ہم کہاں جا گرے، ان کے اغیار کو بھی دیکھا ان کے ناقدین کو بھی پرکھا، مگر ہزار شکر کہ کہا تو یہی کہا کہ ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گُل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بُو تھی

اور جو اسلافِ اُمّت کے علوم و معارف اور اعمال و احوال کو پڑھا تو پھر یہی کہا کہ ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک کو دیکھا!
تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بُو ہے

نقشِ اوّل میرے سب سے پہلے اساتذہ میرے والد ماجد قبلہ حضرت مولانا قاضی محمد نجم الدین صاحب ابن قاضی عبدالغفار ابن مُلّا محمد مسکین ابن قاضی احمد ابن مُلّا اصل الدین غفرلی ولہم اجمعین) اور والدہ ماجدہ اور جدہ مکرمہ اُم الاب ہیں۔ قرآن مجید ناظرہ والدین سے پڑھا۔ حفظ شہر کے ایک صالح بزرگ جناب حافظ جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا اور فارسی سے لے کر کافیہ تک کی ساری کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ والدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زہد و ورع کا اظہار اور عملی زندگی میں ان کے صبر و قناعت اور اس کے ثمرۂ عاجلہ فہمِ دین کا اشتہار ان کی ارواحِ طیبہ کے لیے باعثِ اذیت سمجھتا ہوں، یہ الغافلات المؤمنات پوری زندگی میں قرن فی بیوتکن کی تصویر رہیں اور قانتاتٌ تائباتٌ عابداتٌ کی ایک گونہ تفسیر، والد ماجد اور ان دونوں کا مشترک وصف یہ تھا کہ زندگی کے آخری لمحہ تک جہاں تک مجھے معلوم ہے حج تو خیر کبھی زکوٰۃ بھی شاید فرض نہیں ہوئی، عمر بھر نانِ جویں پر گذاری اور کبھی بھی حرفِ شکایت ان سے سننے میں نہیں آیا، فقر و عسرت پر نہ صرف صابر بلکہ شاکر بھی رہے ——— خمول ان حضرات پر غالب تھا۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھنے کا بارہا نہ صرف قصد کیا بلکہ بعض علماء نے اس کا بہ اصرار تقاضا بھی کیا، لکھنے بیٹھا اور کئی بار لکھنا شروع کیا مگر قلم رُکتا ہی رہا تا آنکہ ارادہ ہی ترک کر دیا۔ مطالعاتی زندگی پر لکھنے کا کئی سال پہلے سے حکم ہوا حتیٰ کہ اب آپ کے بار بار کے اصرار سے جب بھی ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی رہی، اب بھی نہ معلوم تکمیل ہو یا نہ ہو۔

والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی قبر پر ایک دن ایک حافظ صاحب کے ساتھ گیا اُن سے کہا کچھ پڑھو، وہ پڑھنے لگے تو معاً بوجھ پڑا کہ شاید والدہ ماجدہ ناراض ہوں کہ نامحرم سے سنوا رہا ہے خود کیوں نہیں پڑھتا، عجیب اتفاق ہے کہ ایک تیسرے حافظ صاحب جو رشتہ دار بھی تھے بلکہ والدہ صاحبہ کے بھتیجے اور صالح انسان وہ زیارت سے فراغت کے بعد تخلیہ میں مجھ سے کہنے لگے آپ نے خود کیوں نہیں پڑھا نامحرم سے کیوں سنوایا؟ میں نے کہا بات کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ جب اس نامحرم نے پڑھنا شروع کیا تو مجھے بین النوم والیقظہ کی حالت میں یوں محسوس ہوا کہ گویا عمہ مرحومہ نے کروٹ بدل کر رُخ دوسری جانب کو کر لیا گویا ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی خمول پسندی ہی شاید اس کا باعث ہے کہ مجھے کسی مختصر یا طویل مضمون میں ایسا تردّد کبھی بھی پیش نہیں آیا جیسا کہ اس مضمون میں، کچا پکا، بے ربط و یابس جو بھی سامنے آیا ایک دم فرصت میں لکھ بھیجتا ہوں، مگر اس کے لیے آپ سے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ بہر حال سب سے پہلے تو ان کی یہی

ادائیں، ہیں جن سے یہ ناکارہ اوّلین مرحلہ میں متاثر رہا۔

اب والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی اور پھر فہمِ دین کا ایک آدھ واقعہ لکھتا ہوں شاید میری طرح آپ بھی متاثر ہوں۔ نکاح کی ایک مجلس میں ایک دوست بلکہ معتقد کے ہاتھ میں بیٹری (ٹارچ) دیکھی، فرمایا اس سے تو رات کی تاریکی میں بڑی سہولت ہوتی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ قوم محنت کش تھی، نعمتِ ہمت سے محروم نہیں ہوگئی تھی ہر کسی کے پاس اس قسم کی چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں، اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کو یہ رونے اور رُلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ ؎

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ایرانی　　لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

بیٹری (ٹارچ) والے نے کہا قاضی صاحب! رات کے اندھیرے میں واقعی یہ بڑے کام کی چیز ہے، یہ آپ رکھ لیں، رات کو اٹھنے میں آپ کو سہولت پہنچائے گی، آپؒ نے انکار کیا، اُس کے اصرار سے لیکر آ تو گئے لیکن علی الصبح ہی طالب علم کے ہاتھ واپس کردی، وہ دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا حضرت! میں بطیبِ خاطر دینا چاہتا ہوں آپ رکھ لیں، آپ نے فرمایا :۔

"تمہارے اصرار سے میں رات کو لے آیا لیکن ساری رات پریشانی رہی کہ اس طرح میری عادت بگڑ جاوے گی طبیعت لالچی بن جاوے گی کسی کے پاس کوئی چیز دیکھوں گا تو اشارۃً کنایۃً مطالبہ کرنے لگوں گا، اور یہ نہ مروت ہے اور نہ ہی دیانت"

واقعہ مختصر ہے مگر بنیادیں اس کی بڑی گہری ہیں ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی　　حب الرضاع وان تقطمہ ینفطم

نفس کی مثال دودھ پینے بچے کی سی ہے اگر اسے آزاد چھوڑ دو تو جوانی تک دودھ پیتا رہے گا اور چھڑا دو تو دو چار دن میں چھوڑ دے گا　　نفسانی خواہشات کو ختم کر دینے کا ایک ہی علاج ہے کہ اسے پہلے ہی دن ہمت کر کے چھوڑ دو۔ ع　گربہ روزِ اوّل باید کُشت ـــــ تسویف یعنی ٹالتے رہنا کہ آج تو نہیں ع فردا ترک ایں سودا کنم ـــــ یہ ہلاکت ہے۔ آج کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اس برائی کا تخم ڈال دیا ہے تخم ڈالتے رہنا اور یہ سمجھنا کہ اب اُگنے نہیں دوں گا، ایک غلط خیال محال اور جنون ہے ؎

سرِ چشمہ سہل است بستن بہ میل　　چوں پُر شد محال است بستن بہ فیل

یہ ہے علم نافع! اس کے کئی مظاہر والد مرحوم کی زندگی میں دیکھے اور آج تقریباً پچیس سال آپ کی وفات کو ہو رہے ہیں مگر ان سے تاثر گویا آج کی بات ہے۔

آپ کے فہمِ دین کا واقعہ بھی عرض کردوں کسی اچھی بھلی متقدر شخصیت نے سوال کیا قاضی صاحب! دین کی باتیں قرآن و سنت میں موجود ہیں، ان کی تفصیلات اور تشریحات مفسرین اور محدثین کی کتابوں میں مل جاتی ہیں، عمل کیلئے یہ

کافی ہیں، پھر یہ جو کسی بزرگ کی بیعت کی جاتی ہے اس کا بھی کوئی فائدہ ہے؟ فرمایا:۔

"یہ کچھ کم فائدہ ہے کہ مرید بننے والا یہ تو مان لیتا ہے کہ کم از کم یہ ایک شخص" جس کی بیعت کر رہا ہے "مجھ سے اچھا ہے۔"

کیا سمجھے آپ! واقعہ یہ ہے کہ دریا بکوزہ کر دیا ہے، بنصِ حدیث اپنا نفس اعدی الاعادی سب سے بڑا دشمن ہے اس کا پہلا اور سب سے آخری سبق بھی ہے کہ تم ہی سب سے اچھے ہو۔ اگر انانیت اور نفسانیت کا کانٹا نکل جاتا ہے تو وصلِ حبیب محبوبِ حقیقی جل مجدہ کا راستہ دو ہی گام رہ جاتا ہے۔ دَعْ نفسک وتعالیٰ نفس کو چھوڑ دو اور لو مجھ سے مل لو ۔

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانۂ ما ۔ کہ بجز درد تو کس نیست دریں خانۂ ما

مقصد یہ کہ شیخ کے ہاتھ پکڑ لینے سے نفسانیت کا کانٹا نکلنے کی ابتداء ہوگئی، اب ہمتِ مرداں مددِ خدا وصلِ حبیب کا دروازہ کھل گیا ۔

کیمیائیست عجب بندگئ پیرِ مغاں ۔ خاکِ اُو گشتم وچندیں درجاتم دادند

بندگی سے مراد یہاں اطاعت اور غلامی ہے، اعتماد و انقیاد ہے ع

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

نہ کہ غیر اللہ کی عبادت کہ وہ تو شرک ہے اور وصلِ حبیب میں سب سے بڑی رکاوٹ ۔

نجاست شرک ہے اور دل سکونت گاہ دلبر ہے ۔ مکاں گر ہے نجس دلبر کا رہنا ہو نہیں سکتا

یاد آیا کہ ایک دوست نے اپنے چہرہ کو انوارِ سنت سے مزین کرنے کا عزم کر لیا، سبزۂ نورستہ لیکر حاضر ہوا، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی خوشی ہوئی، میں مدرسہ میں طلباء کو پڑھا رہا تھا میرے پاس لے کر آئے اور فرمایا اسے مبارکباد دو، مجھے بھی خوشی ہوئی، اُسے مبارکباد دی اور پوچھا اس رحمتِ الٰہی کا سبب کیا بنا؟ مقصد یہ تھا کہ کس کی نصیحت مؤثر ہوئی کیسے خیال آیا؟ اُس سے پہلے والد ماجدؒ نے مشہور پشتو شاعر صوفی عبدالرحمٰن بابا کا شعر سنا کر جواب دیا شعر پشتو میں ہے، آپ نے بڑی سادگی اور روا روی میں پڑھا لیکن مجھ جیسے غبی القلب کی حالت بھی چند لمحے یکدم بدل گئی اور سمجھ میں آگیا کہ ۔

دادِ حق را قابلیت شرط نیست ۔ بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

جاذبۂ غیبیہ نے مدد کی اور دل پھر گیا، شعر یہ تھا ۔

چہ ضرور د چہ وَیُبل خوانہ غواڑم ۔ پہ خپل کور کنیں ھمکنار دے رب تہ

جس کا حاصل فارسی میں یوں ادا کیا گیا ہے ۔

ہم چو نابینا مبر ہر سوئے دست ۔ زانکہ در زیر گلیم است ہر چہ ہست

اُردو میں یوں کہا جا سکتا ہے ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار   جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ہاں اور نجم المدارس کے ایک طالبعلم نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، آخری دنوں میں اسے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا، والحمد للہ۔ اس کا والد آیا وہ واڑھی منڈایا کرتا تھا۔ والد صاحبؒ نے اُسے بچہ کے حافظ ہونے پر مبارکباد دی۔ پھر اس سے پوچھا بچے کو حفظ کیوں کرایا ہے؟ اُس نے کہا کیوں جی یہ اچھا کام نہیں، ثواب کا کام نہیں ہے___ اُن دنوں ملازمت کے لالچ میں نہیں، لوگ قرآنِ پاک کو قرآنِ پاک سے شوق کرنے اور ثواب کمانے کے لیے پڑھا کرتے تھے___ قبلہ والد صاحبؒ نے اس کی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی سادگی سے فرمایا "او بھائی یہ اچھا کام نہیں، ثواب کا کام نہیں؟"___ بس از دل خیزد بر دل ریزد کی تصدیق سامنے آئی___ اُس نے کہا قاضی صاحب! آج کے بعد ان شاء اللہ اسے نہ اُسترہ لگے گا اور نہ ہی قینچی___ سلسلہ طویل ہے ہمیں بس است اگر در خانہ کس است

حفظ کے استاذِ مکرم بھی نہایت مسکین، بینائی کمزور مگر اڑھائی تین سال کے عرصہ میں کبھی بھی یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے اشارۃً یا کنایۃً اپنی کسی ضرورت کا اظہار کیا ہو، تا بہ طلب چہ رسد، گویا سب حضرات ؎

ما آبروئی فقر و قناعت نمی بریم   با بادشہ بگوئی کہ روزی مقدر است

کا مرقع تھے___ حرصِ دنیا کی موجودہ وبا میں قدم قدم پر نہ صرف ان سے متاثر ہوں بلکہ ان کی ہمت مردانہ پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔

دُوسری منزل غالباً چودہ سال کی عمر میں مَیں یہاں سے سراج العلوم سرگودھا وہاں چند سال رہنے کے بعد خیر المدارس جالندھر اور پھر وہاں سے دار العلوم دیوبند پہنچا، پہنچا نہیں بلکہ حسنِ تقدیر نے مجھے ان اکابر علماء دیوبند کے زیرِ سایہ کچھ دن رہنے کی سعادت سے نوازا ؎

گلے بر دند زیں دہلیزہ پست   بآں درگاہ والا دست بر دست

حقیقت یہ ہے کہ ؎

اُنکے پاس گذریں چند گھڑیاں   اُنہیں کی یاد میری زندگی ہے

یہاں کا پتہ پتہ پھول اور ذرہ ذرہ آفتاب نظر آیا ھم کالحلقة المفرغة لایدری این طرفاھا ان کی مثال ایک گول قیمتی انگوٹھی کی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اوّل کیا ہے اور آخر کیا ؎

؎ مَیں نہ تفصیل کا قائل نہ مساوات کا   ہاں مجھ سے گمرہ کی ہدایت کو ہیں یکساں سب ہی

یہاں کے اکابر تو اکابر چھوٹے اور اصاغر بھی سبحان اللہ!

سرگودھا میں مدرسہ عالیہ سراج العلوم کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ متبحر عالم، بڑے قاری

نہایت فصیح و بلیغ خطیب اور مقرر، علامۃ العصر حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگردِ رشید اور قطبِ زمان حضرت مولانا احمد
صاحبؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے مجازِ مطلق ۔ مگر اخلاق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ میں نے خود انہیں مرکزِ رشد والہدایت
روضہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے پاس قطبِ عالم اعلیٰحضرت سیدی مولانا نور المشائخ صاحب کابلی مجددی
قدس سرہ العزیز کی مجلسِ سعادت میں دیکھا کہ علماء و مشائخ کی اعلیٰ سطحی مجلس میں نہایت ساکت و صامت انتہائی ادب
کم و بیش ایک گھنٹہ تک ہمہ تن گوش بیٹھے رہے ۔ آپ کے چچا جان فقیہ دوران مولانا احمد دین صاحب کیلویؒ حضرت
فارسی میں باتیں کرتے رہے، باہر آکر فرمایا خدا کی قسم ایک لمحہ بھی حضرت کا قلبِ مبارک غافل نہیں رہا ۔

میں نے دیکھا کہ جن دنوں آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب مرحوم دار العلوم دیوبند میں
دورہ حدیث شریف میں شریک تھے احقر بھی خوش قسمتی سے اُن کا ہم سبق تھا، حضرت الاستاذ دار العلوم تشریف لائے
تو اپنی عام عادت کے برخلاف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے ملنے گئے تو ادباً و حیاءً کھدر کا جوڑا پہنکر گئے
جو اسی ہی غرض کے لیے سلوایا گیا تھا کہ اس اللہ والے کے عزت و احترام کی ایک صورت یہ بھی ہے ۔ کیا امام شافعیؒ
امام اعظم ابو حنیفہؒ کی قبر پر جا کر غالباً دعائے قنوت چھوڑ دینے کا عمل اپنی تحقیق کو ترک کرتے ہوئے اسی کے مشابہ نہیں
ہے ۔ فما اشبہ الیوم بالبارحۃ ۔ گویا آج اسلاف کا وہی نقشہ ہمارے اکابر کے پیشِ نظر تھا ۔

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رومال لایا گیا تو میرا مشاہدہ ہے کہ آپ ادباً اٹھ
کھڑے ہوئے، اسے بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا اور واللہ کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے ۔ آج اعجاب کل
ذی رأی برایہ (خود پسندی) کے اس دور میں اس قسم کی قلبی محبت اور للّٰہی آداب کا تصور بھی مشکل سے کیا جاتا ہے
جبکہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی ادب تھا ۔ بقول حضرت درخواستی دامت برکاتہم اَلدِّیْنُ کُلُّھَا اَدَبٌ ۔

بہر حال یہ علمِ حقیقی اور علم نافع ہی کا اثر تھا کہ ہمارے یہ اکابر فنائے نفس کی دولت سے مالا مال تھے اور اسی کے
صلہ میں من تواضع للہ رفعہ اللہ رفعتِ درجات پر ممتاز رہے ۔ اور میں ان حضرات کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ
میں سے اسی کمال سے زیادہ متاثر رہا ۔

اور عجیب سنیئے! اسی سراج العلوم میں میرے مشفق استاذ حضرت مولانا صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔
ایک طالب علم جو ذرا تنگ دل اور تلخ زبان تھے (اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے) نے ایک دن علی رؤس الطلباء آپ
سے کہا: "اُستاد جی! آپ نے میرے تین سال ضائع کر دیئے، میں تین سال سے یہاں آرہا ہوں کچھ نہیں سیکھا
آپ سمجھا ہی نہیں سکتے، خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دو گے" حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً نے
ہنس کر فرمایا:

"بھائی جان! دو سال کا جواب تو آپ خود اللہ تعالیٰ کو دیں کہ جب پہلے سال معلوم ہو گیا کہ یہاں

کچھ تعلیم نہیں ہے تو پھر دوسرے اور تیسرے سال کیوں آئے؟ ہاں پہلے سال کے متعلق ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔"

یہ حوصلہ اور طلباء دین کی یہ قدردانی ؏

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

حضرت الاستاذ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ خوشاب والوں نے سنا کہ میں بیمار ہوا اور مولانا صالح محمد صاحبؒ بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، ملتے ہوئے دست بوسی کا ارادہ کیا تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ یہ کیوں؟ فرمایا آپ میرے استاذ ہیں اور اساتذہ کی دست بوسی جائز ہے۔ فرماتے ہیں میں نے تعجب سے پوچھا میں اور آپ تو ہم درس ہیں، ہم استاذ ہیں، میں آپ کا استاذ کب بنا؟ فرمایا میں چھٹی پر گیا تھا اور "ھدایۃ النحو" کے کچھ اسباق رہ گئے تھے، واپسی پر آپ نے ہی ان کا تکرار کرایا، اس لیے آپ میرے استاذ ہیں اور مجھ پر آپ کا ادب کرنا ضروری ہے۔

یہ ہیں میرے اساتذہ جن سے میں متاثر ہوا اور اگر ان سے متاثر نہ ہوں کیونکہ وہ مشاہیر میں سے نہیں ہیں تو پھر مجھے اپنی ایمانی بے حسی پر رونا چاہیئے۔

آئیے اب آپ کو جالندھر کی سیر کراؤں ــ خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ محدث بھی، فقیہ بھی، مربی اخلاق اور مربی النفوس بھی، مناظر بھی اور انتہائی منتظمانہ صلاحیتوں کے مالک بھی۔ ان کا ایک ایک وصف جاذب قلب و نظر تھا لیکن آپ کی خاص شان صلح بَیْنَ الْفِئَتَیْن کی تھی اور اسی سے میں زیادہ متاثر رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے اتفاق اور اختلاف دونوں میں خلوص اور للّٰہیت کا کا جذبہ کارفرما ہے ؎

محبت ہو کسی سے یا عداوت مزہ دے جاوے گی جب دل سے ہو گی

یہی وجہ ہے کہ تھانوی اور مدنی گروپ دونوں کے اکابر اور ارباب بصیرت حضرت خیر العلماء پر یکساں اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ خیر المدارس جالندھر میں جس سال میں موقوف علیہ پڑھ رہا تھا حسن اتفاق سے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہما یکے بعد دیگرے جالندھر تشریف لائے، دونوں کا سیاسی اختلاف برملا تھا حضرت خیر الاساتذہؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مگر ہر دو حضرات کے میزبان حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ہی تھے۔ دونوں کے قیام کے لیے آپ نے اوپر کا بالاخانہ جس میں آپ کے اہل و عیال رہا کرتے تھے اسی کو خالی کرایا۔ خیر المدارس کی ساری کائنات جہاں تک مجھے یاد ہے اس وقت صرف چار کمرے ایک برآمدہ ریلوے روڈ جالندھر پر اور ایک مسجد تھی صحن ندارد۔ دونوں اکابر سے صبح کی نماز کی امامت کرائی، دونوں حضرات سے بعد نماز فجر درس اور مختصر خطاب کرایا۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے جب سیاسی جہاد سے کنارہ کشی پر چند کلمات فرمائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ

نے ہلکے سے تبسم سے ہی اس کا جواب دیا، ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالا ـــ اس کے بعد چائے نوشی کی مجلس (جو کہ بہت ہی مختصر تھی) انتہائی فرحت و انبساط کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

میں پہلی بار حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کو تانگہ میں پچھلی سیٹ میں کھدر کی اپنی مخصوص قبا میں دیکھا تو غیر اختیاری طور پر یہ تصور قائم ہوا کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ مہرہ شاید ایسا ہی ہو۔

یہیں جالندھر میں اختلاف و اتحاد کے اسلامی حدود کی پابندی کا منظر بھی دیکھا اور یقین آیا کہ اگر نیت بخیر ہو تو ایسے اختلاف سے تشتت و افتراق اور پریشانی و انتشار کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً گو کہ سیاسی ذہن میں حضرت مہتمم صاحب سے دور اور بہت دور تھے لیکن خیر المدارس کے معاملہ میں بلا مبالغہ یک جان و دو قالب کا مصداق تھے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے وصال پر ملتان کے تعزیتی اجلاس میں "الصدیق" ملتان بابت جلد ا، ۱۳۷۷ھ کے مطابق حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے ذیل کا مرثیہ پیش فرمایا ؎

نفسی الفداء لصارم عریانٍ   من باترات اللہ ذی السلطانِ
میری جان اس شمشیر برہنہ پر قربان ہو جو خدائے غالب کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

فذبابہ موت الملاحدۃ اللئام   عداۃ دین الحق والایمانِ
اس کی دھار ملاحدہ لئام کی موت ہے، جو دینِ حق اور ایمان کے دشمن ہیں۔

اکرم بہ ارحم بہ احلم بہ   اَعلِم بہ بالفقہ والقرانِ
بہت بڑے کریم بہت بڑے شفیق بہت بڑے بُردبار، فقہ اور قرآن کے بہت بڑے عالم۔

مُتمسکٌ بعری الھدایۃ والرشاد   من کتاب واضح التبیانِ
قرآنِ عزیز کی واضح ہدایات کو مضبوطی سے تھامنے والے۔

درحقیقت یہ انسان تھے اور انسانوں کی طرح ہی زندہ رہے، ان کو یاد کر کے آج کے حالات میں بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ ؎

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند   نیستند آدم غلافِ آدم اند

حاصل یہ کہ لوگ میرے اساتذہ کے علم و عمل، ریاضات و مجاہدات کو دیکھ کر محوِ حیرت ہیں اور میں سب سے زیادہ ان کے اخلاق، شرافت اور جذبۂ للّٰہیت سے متأثر رہا ہوں کہ یہ چیزیں اب عنقا آشیانہ ہیں اور ان کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جہاں تک قطب رحی الاسلام امیرالمؤمنین فی الحدیث، بخاری زمان حضرت اقدس سیدی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا تعلق ہے آپ کے متعلق میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ اما ابن مسعود فابن مسعود فرضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاہما شمسی بنگالی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

از ہیبتِ آں شیر نر یورپ ہمیشہ نوحہ گر — لرزہ فتادہ بر جگر بزغالہ کردار آمدہ
شیخم حسین احمد نگر گردیدہ در گیتی سمر — کز غایت فضل و ہنر لقمان کردار آمدہ
ظل امیر الہند پائندہ تر دار ای خدا — بر طالبانِ بے نوا کا نناش انصار آمدہ

ہزار اختلاف کے باوجود جیل جانے پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا دل جس پر رو رہا ہو، سحر البیان امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس شیخ کی موجودگی کے باعث دیوبند میں تقریر نہ کرنے کا عزم کر لیا ہو، اُس پر کسی ناکارہ آوارہ بے علم و عمل طالب علم کا کچھ لکھنا ایک جرأت بیجا اور یقیناً ناروا جسارت ہے۔ لوگوں میں حضرتؒ کی شہرت کفر و شرک اور ظلم و عدوان کے مقابلہ میں نبرد آزما ہونے کی وجہ سے ہے اور بلاشبہ یہ وصفِ خاص ع

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن نہیں

کے ماتحت عام نہیں، اس کے لیے ازلی انتخاب اربابِ عزیمت کا مقدر ہے۔

آپ کا شمار اربابِ ذکر کے طبقہ علیا میں یقیناً صحیح اور بالکل بجا ہے۔ نہ صرف محدثِ شہیر و کبیر بلکہ محدثین کرام کے محبوب ترین فردِ فرید ہونے میں شاید آپ کی نظیر دور دور تک نہ مل سکے۔ ملکی سیاست میں علماء کی عزت و آبرو کے آپ ہی محافظ رہے ہیں۔ میں حضرتؒ کے جس وصفِ خاص سے متأثر ہوں وہ حضرتؒ کے سرتاپا سیاسی ہونے کے باوجود اور دریائے سیاست کے قعر میں پائے بند رہنے کے ساتھ ساتھ دامنِ تری کے عیب سے بالکل مبرا و منزہ رہے ہیں۔ جب بھی مذہب و ملت اور دین و شریعت کا نام آیا تو حضرتؒ اپنے تمام حیثیات کو بالکل بھول ہی جاتے تھے، گویا ؎

دلا تو رسم تعلق ز مرغ آبی جو — کہ گرچہ غرق بلا یاست خشک پر برخاست

جس سال دیوبند شریف میں میں دورۂ حدیث شریف پڑھ رہا تھا حضرتؒ تین ہفتے لکھنؤ میں مدح صحابہؓ ایجی ٹیشن کی سرپرستی فرماتے رہے۔ واپسی پر جلسہ عام میں فرمایا (جو کہ جامع مسجد دیوبند میں مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی صدارت میں ہوا) کہ:۔

"لوگ کہتے ہیں یہ کیسا سیاسی شخص ہے کہ ایک فرقہ کے مذہبی مسئلہ میں دخیل بن گیا ہے

فرمایا میں فلاں فلاں لیڈروں کی طرح سیاسی نہیں ہوں، مذہب کا معاملہ پیش آئے گا تو حسین احمد
سب سے پہلے اس میں قربانی دے گا"
کھو کھلے اعلانات کی حد تک ہم بھی کہتے رہیں گے لیکن حضرتؒ نے عمل کر کے دکھایا، اور ہم عمل کے وقت
آئیں بائیں شائیں کر کے رضا کاروں کو ورغلا لیتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا کہ ایک دفعہ حضرت مدنیؒ نے عصر کے بعد کسی سیاسی جلسہ میں شرکت فرمائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی شریک تھے، مردوں کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ پورے جوش و خروش سے تقریر فرمائی مغرب کے بعد ہی تلقینِ مریدین میں مشغول ہوئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خدا کی قسم ذرا بھی قلب مبارک پر غبار محسوس نہیں ہوا۔

سیاست اور مذہب کشتی پانی کے بغیر چلائی نہیں جاسکتی لیکن پانی اس کے اندر گھس جائے تو بھی اس کی تباہی ہے ـــــ مذہب کی کشتی کے لیے مانا کہ سیاست کے دریا میں کودنا مجبوری ہے لیکن اگر سیاست اس کے اندر پڑی تو مذہب تباہ ہوگیا اور معاملہ بھی رہا کہ ؎

ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی

سیاست جب تک مذہب کے لیے رہے اور مذہب ہی کی پابند رہے تو عین مقصود ہے لیکن مذہب کا نام سیاست کے لیے استعمال کیا جاتا رہے تو بالکل زندقہ و الحاد ـــــ شرم کی بات ہے کہ شریعت کو مغربی جمہوریت پر قربان کرتے ہوئے بھی ہم حضرت مدنیؒ کے نام لیوا شمار ہوتے ہیں ؎

با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

حضرت مدنیؒ تو مدح صحابہؓ کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو جیل بھجوائیں اور ہمارا دشمنانِ صحابہ سے ووٹ حاصل کرنے کے لالچ میں یارانہ ہو تو بھی ہم کو حضرت مدنیؒ کا غلام سمجھا جائے، واہ قوم کی سادہ دلی ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

سیاست کو مذہب پر قربان کیا جائے جیسا کہ حضرت مدنیؒ کا وطیرہ تھا تو یہ سیاست برائے مذہب ہے اور اگر مذہب کو سیاست کے لیے پسِ پشت ڈالا جائے تو مذہب برائے سیاست ہے۔ پہلا نہ صرف جائز بلکہ فرض اور دوسری صورت دھوکہ، فریب اور حرام و ناجائز۔

حضرت مدنیؒ کی ایسی سیاست سے یہ ناکارہ بہت ہی متاثر ہے اور اس قسم کے واقعات حضرتؒ کی زندگی کے قدم قدم پہ سنے جاسکتے ہیں مگر ایسے واقعات اب نہ سُنے جاتے ہیں اور نہ ہی سُنائے جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ؎

دُردِ بیفا رس باقیا باقی نماند   آں قدح بشکست آں ساقی نماند

(باقی ص ۵۴ پر)